مطالعات و تعلیقات

از:- قاضی اطہر مبارکپوری

سات خوش بخت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۱) امام عادل اور عدل و انصاف کرنے والا خلیفہ و امیر اور حاکم (۲) اور وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا ہے (۳) اور وہ آدمی جس کا دل مسجد... میں لگا رہتا ہے (۴) اور وہ دو آدمی جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ملتے ہیں اور اسی کی مرضی پر جدا ہوتے ہیں (۵) اور وہ آدمی جسے جاہ و منصب اور حسن و جمال والی عورت دعوت دے اور وہ آدمی اسکے جواب میں کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) اور وہ آدمی جس نے صدقہ کیا تو اسے اس طرح چھپایا کہ اس کے بائیں ہاتھ تک کو خبر نہیں ہوئی کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے (۷) اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی دونوں آنکھیں بہہ پڑیں۔[1]

قیامت کے دن اللہ کے سایہ میں پناہ گزینوں کی فہرست ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائی ہے۔ اس میں امیر و حاکم، جوان بوڑھے سب ہی شامل ہیں۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہم کس طبقہ میں شامل ہیں اور عرش رحمان کے سایہ میں ہمیں جو جگہ ملنے والی ہے اس میں کن خوش نصیبوں کا ساتھ ہوگا۔

بلڈنگوں کوٹھیوں، جھونپڑوں اور دیواروں کے سایہ میں رہنے والے لوگوں کو قیامت کے دن کی ہولناکی اور بے پناہی پر بھی دھیان دینا چاہیے۔ دھوپ نہیں ہوا سے بچنے کے لئے ہم سر بفلک اور پہاڑوں سے مضبوط عمارتیں بنا رہے ہیں اور موجودہ دور کے بلند و بالا تعمیری دور میں سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ہم مسلمان قیامت کی گرمی اور

---

[1] بخاری و مسلم

دھوپ سے بچنے کی کیا تدابیر کر رہے ہیں، اسکا انتظام اس میں نہیں ہے کہ ہم دنیا میں بے گھر رہیں یا چھپروں میں زندگی کے دن کاٹ دیں بلکہ اس کا انتظام یہ ہے کہ ہم صاحب حیثیت بن کر انصاف کریں۔ ہماری نشو و نما عبدیت و بندگی کی کھلی اور صاف ستھری فضا میں ہو۔ نماز ہی ۔۔۔ زندگی کا محور و مرکز ہو۔ باہمی محبت کی خوشگوار زمین سرسبز و شاداب رہے، جنکی خواہشوں پر خدا کے خوف کا پہرہ ہو۔ معاشرہ سازی کے لئے زیادہ سے زیادہ اخلاص و ایثار سے کام لیا جائے اور کبھی کبھی دنیا کے جھمیلوں سے الگ ہو کر اپنے مالک و مولی کے دربار میں انفعال و ندامت کا نذرانہ پیش کیا جائے، جس میں دل و دماغ اور چشم و نظر کے شامل ہوں، اور آنسو کی شکل میں اسکا اظہار ہو۔ یہ چیزیں قیامت کے دن سایہ دلوائیں گی اور کام آئیں گی۔

امام مسلم رح :- صحیح مسلم شریف کا مرتبہ عامۃ المسلمین کے نزدیک صحیح بخاری شریف کے بعد ہے اور بہت سے علماء صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں۔ کتاب اللہ کے بعد یہ دونوں حدیث رسول کی کتابیں آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر سب سے زیادہ صحیح ہیں۔

حضرت امام مسلم بن حجاج بن مسلم نیشاپوری متوفی [illegible] رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت [illegible] میں ہوئی، زمانہ کے دستور کے مطابق احادیث رسول کے سلسلہ میں عراق، شام، حجاز اور بغداد وغیرہ کا بار بار علمی و تعلیمی سفر کیا، ان مقامات کے ائمہ و شیوخ سے تحصیل علم کی، ۔۔۔۔۔۔ حضرت امام مسلم کا فیض، ان کی عظمت و شہرت اور ان کا مقام و مرتبہ آج بھی محتاج بیان نہیں۔ حالانکہ آخر میں وہ اپنے شہر نیشاپور میں کاروبار کرتے تھے اور جائداد و دولت میں مصروف ہو کر کامیاب تجارت کرتے تھے۔ نہ ترک دنیا کیا نہ مرتے دم تک دنیاوی معاملات سے یکسو رہے پھر بھی ان کو یہ مقام و مرتبہ ملا۔ بات یہ ہے کہ اخلاص و للہیت کی زندگی میں بقا و دوام ہوتا ہے۔ اور اس کے اچھے کارنامے ہمیشہ دنیا والوں کے کام آتے ہیں ہمیں چاہیئے کہ علمی اور دینی زندگی کے ساتھ ساتھ کاروبار اور زندگی سے بھی تعلق رکھیں، اور علم و دین کا جتنا کام کریں نہایت اخلاص و ایثار سے کریں تو ہماری زندگی بھی کام کی ہو سکتی ہے۔ امام مسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہ علم اور مال دونوں سے تعلق رکھتے تھے مگر اخلاص کی وجہ سے آج تک ان کا علمی و دینی مقام بلند ہے۔

امام احمد بن حنبل، حضرت امام اسحق بن راہویہ اور حضرت امام محمد بن مسلمہ رحمہم اللہ وغیرہم سے حدیث کی تعلیم پائی اور اپنی کتاب صحیح مسلم میں تکرارات اور جگہ جگہ آنے والی احادیث کو چھوڑ کر کل چار ہزار احادیث درج فرمائیں۔ امام مسلم نے اپنی اس کتاب میں صحت، و اتقان، تقویٰ و دیانت، روایت و درایت اور احتیاط و معرفت کا انتہائی ثبوت پیش فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بھی امام مسلم کی کئی تصنیفات ہیں، بہرحال امام مسلم نے تحصیل حدیث اور تحصیل علم دین میں دنیا کا چکر کاٹا، اچھی اچھی کتابیں تصنیف کیں ساتھ ہی درس و تدریس کا سلسلہ رکھا ان کے آخری حالات کے سلسلہ میں تذکرہ نویسوں کا بیان ہے۔

واقام رحمه الله تعالى بعلمه حلالنا العد ببلدة نيساپور وكان له فيها املاك وثروة وبقي يتاجر بها حتى توفي۔

اور آپ متعدد علمی اسفار کے بعد شہر نیشاپور میں مقیم ہو گئے جہاں آپ کی املاک اور دولت و ثروت تھی ان میں رہ کر تجارتی کاروبار کرتے رہے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔

زن و شوئی کے تعلقات :- ایک شخص کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے، آپ نے اس سے پوچھا کہ تم اپنی بیوی کو کیوں طلاق دینا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے، آپ نے فرمایا۔

اوكل البيوت تبنيت على الحب؟ فاين الرعاية والذمم؟

کیا ہر خاندان کی بنیاد محبت ہی پر ہوتی ہے، اگر ایسا ہو تو پھر رعایت اور ذمہ داریاں کہاں جائیں گی؟

دنیا کے مفکر عظیم فاروق اعظم نے ان دو جملوں میں زن و شوئی کے معاملات اور خاندانوں کے امور میں جو مفید ترین حقیقت ظاہر فرمائی ہے، وہ گھریلو اور ازدواجی زندگی کے حق میں گوہر شب چراغ ہے، اگر آدمی ان دو باتوں پر دھیان دے تو گھریلو زندگی تھوڑی بہت تلخ ہونے کے باوجود نہایت اچھی گذرے۔

زوجین میں محبت بہت ہی بہتر بات ہے اگر یہ نہیں ہے تو بڑی بے لطفی ہے مگر کیا زن و شوئی کی زندگی کا مقصد اس کے نہ ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت نہیں تو دشمنی ہے؟ ظاہر ہے کہ محبت نہ ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دشمنی ہے، پس اگر کسی وجہ سے محبت نہیں ہے تو کیا اسکے بغیر ازدواجی زندگی گذر ہی نہیں سکتی، کیا دنیا میں جتنے کنبے، خاندان، اور گھرانے ہیں سب محبت کی پیداوار ہیں اور سب کے لئے محبت ہی وجہ زندگی ہے؟ اگر یہ بات نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ایک مرد کو اس لئے اپنی عورت کو طلاق دینے کا کیا حق ہے کہ اس کو اپنی عورت سے محبت نہیں ہے۔ کیا اسکے باپ، دادا، پردادا اور اس سے اوپر کے سب لوگ ایسے تھے کہ ان کو اپنی عورتوں سے شدید محبت تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کا دعوی کوئی نہیں کر سکتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ میاں بیوی میں دشمنی و عداوت نہیں تھی۔ اگر صرف محبت نہ ہونے پر مرد اپنی عورت کو جدا کر دے تو پھر مرد کی ذمہ داری، مروت، انسانیت، اور دینی و اخلاقی اور سماجی بندشیں کہاں جائیں گی اور مرد کی بالادستی کس کام کی ہو گی۔ صرف محبت نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو برطرف کر دینا مردانگی اور بہادری نہیں ہے بلکہ خود غرضی اور بزدلی ہے۔ اس بات کو بہت ہی اہمیت دینی چاہیئے۔

تین باتیں :- ایک بہت بڑے دانا مسلمان کا قول ہے کہ میں نے تین ایسی باتیں سنی ہیں کہ ان سے زیادہ عجیب و غریب باتیں میرے سننے میں نہیں آئیں۔

(۱) حسان بن ابی سنان کا یہ قول

ماشئ اھون من ورع، اذا رابك شئ فدعه۔

پرہیزگاری سے سہل اور کوئی چیز نہیں ہے، جب تم کو کسی چیز میں شک شبہہ پڑے تو اسے چھوڑ دو۔

(۲) امام محمد بن سیرین بصری رحمہ اللہ کا یہ قول:

ماحسدت احداً علی شیءٍ قط

میں نے کسی بھی چیز پر کسی شخص کے بارے میں حسد نہیں کی۔

(۳) مورق عجلی کا یہ قول

لقد سألت اللہ حاجۃ منذ اربعین سنۃ ماقضاھا ولا یئست منھا۔

میں چالیس سال سے اللہ تعالیٰ سے ایک بات کی دعا کر رہا ہوں، جسے نہ وہ پورا فرماتا ہے اور نہ میں اس سے مایوس ہوتا ہوں۔

مورق سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی حاجت ہے جسے تم چالیس سال سے اللہ سے چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے پورا نہیں فرمایا پھر بھی تم اس سے ناامید و مایوس نہیں ہو۔ اسنے جواب دیا۔

ترک مالا یعنینی۔ ایسی چیز کا چھوڑنا جو مجھے کوئی فائدہ نہ دے

دنیا کے بڑے لوگوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں اور ان پر عمل کرنے سے معمولی آدمی بھی بڑا ہو جاتا ہے، اگر تم بھی بڑا بننا چاہتے ہو تو اس طرح کی باتوں پر عمل کرو۔

لوگ کہتے ہیں کہ تقویٰ کی زندگی بہت مشکل ہے، اور انسان بڑی مشکل سے پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے، مگر ایک بہت بڑے متقی و پرہیزگار کا تجربہ ہے کہ ورع و تقویٰ سے زیادہ آسان کوئی کام نہیں ہے، اس میں کچھ کام نہیں کرنا پڑتا بلکہ جس چیز کے بارے میں شک و شبہ ہو جائے اسے چھوڑ دینا ہوتا ہے، ورع و پرہیزگاری کا یہ نسخہ واقعی نہایت آسان ہے اسسے آسان کیا بات ہوگی کہ کچھ کرنا نہ پڑے بلکہ معمولی معمولی وجہ سے بہت سے کام چھوڑنے پڑیں، اور ان میں مبتلا ہونے کی باری نہ آئے۔

حسد اور بدخواہی سے بہت کم لوگ محفوظ ہوتے ہیں۔ حسد یہ ہے کہ کسی اچھی چیز کے بارے میں خیال اور جذبہ پیدا ہو کہ یہ چیز اس سے ختم ہو جائے اور اسکا بھلا نہ ہو، یہ حرام ہے اور رشک و غبطہ یہ ہے کہ کسی اچھی چیز کو دیکھ کر ہمیں بھی خواہش اور آرزو ہو کہ اے کاش ہمیں بھی یہ حاصل ہوتی، یہ بہت اچھی بات ہے اور نیک کام میں رشک کرنا اور اس کی حرص کرنا بجائے خود نیکی ہے اور اپنے اندر اچھائی پیدا کرنے کا جذبہ ہے، اگر تم سے ہو سکے تو تم کبھی کسی شخص کے اس کی کسی اچھی چیز پر حسد نہ کرو، یہ بڑے کردار کی بات ہوگی، اور تم اس سے بہت بڑے آدمی بن جاؤ گے

لایعنی، بے کار اور لغو چیزوں سے بچنے کی ہمیشہ کوششیں کرتے رہو، اور دعا کرتے رہو کہ تم سے بے کار اور لغو باتوں کا صدور نہ ہو، یہ ارادہ اور اسکی دعا بظاہر اکارت معلوم ہو تب بھی مایوس نہ ہو اور اپنا کام کرتے رہو، اصل یہ ہے کہ انسان کے ساتھ لایعنی باتوں کا جھمیلا لگا رہتا ہے اور اس سے نجات بہت مشکل ہوتی ہے، اور اس مشکل پر قابو پانے کے لئے

کوشش اور دعا کرنا بہت مفید ہے، اس طرح بہت سی لایعنی اور لغو باتیں انسان سے ختم ہو جاتی ہیں، مگر ان کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پیچھے پڑی ہیں۔

مذکورہ تین باتوں کو آپ بھی مجربہ روزگار سمجھ کر ان کو محفوظ کر لیجئے، اور ان کو اپنی زندگی میں کام میں لائیے ان سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور انسانی عظمت بیدار ہوگی۔

مسلمان اور علوم وفنون

مسلمان قوم کا مزاج بالکل علمی و تعلیمی ہے، اور اسے ہر زمانہ میں علم و فن حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ مسلمانوں نے ہر دور میں اپنی اس خصوصیت کو نمایاں طور پر باقی رکھا ہے اور تعلیم و تعلم کا معقول انتظام کیا ہے، اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم علمی و فنی دوڑ میں مسلمانوں کے ساتھ نہ چل سکی، آج بھی علوم و فنون میں یہ قوم ممتاز نظر آتی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یورپ کے چند نئے علوم و فنون اس نے ابھی نہیں سیکھے ہیں اور مغرب کی استعماریت نے ابھی اسے اس کا موقع نہیں دیا ہے، مگر اب حالات اس کے لئے سازگار ہو رہے ہیں۔

پہلی صدی ہجری گذرتے گذرتے علمائے اسلام نے دینی علوم کو اس قدر عام کیا کہ مسجد سے لے کر بازار تک ہر جگہ علمی چرچے ہونے لگے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گورنر جعفر بن برقان کے نام یہ مکتوب روانہ فرمایا۔

امابعد فمر اھل الفقہ والعلم من عندک فلینشروا ما علمھم اللہ فی مجالسھم ومساجدھم[1]

ارباب علم و فقہ میں سے جو لوگ تمہارے یہاں موجود ہیں ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ اسے اپنی مسجدوں میں بیٹھکر عام کریں۔

چنانچہ آپ کے دور خلافت میں علوم دینیہ کی اشاعت کا زور تھا، اور ہر بستی کے علماء نے اپنی مجلسوں اور مسجدوں میں علمی حلقے قائم کئے، اور ہر خاص و عام کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا، اور لوگ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہوئے تحصیل علم کی دھن میں لگ گئے۔ نیز آپ کے زمانہ میں دینی علوم اور احادیث نبویہ کی تدوین شروع ہوئی اور ہر اسلامی ملک کے علماء محدثین نے اپنی اپنی احادیث کتابی شکل میں جمع کرنا شروع کیا، اور ہر جگہ احادیث کے ذخیرے سینوں سے نکل کر سفینوں میں آنے لگے۔ اس طرح دینیات پر بے شمار کتب خانے جمع ہو گئے، اس کے بعد عباسیوں کے دور میں عقلی دینی علوم و فنون کا دور آیا تو مسلمانوں نے افلاطون و جالینوس اور ارسطو و فیثاغورس کے مقابلہ میں ابونصر فارابی، بوعلی سینا فخرالدین رازی اور امام غزالی جیسے جیسے ائمہ علم و فن پیدا کئے، جابر بن حیان، ابوزکریا رازی، اور محمد بن موسیٰ خوارزمی جیسے دنیا کے مہندس اور ریاضی کے امام پیدا کئے، جن کی تصنیفات سے یورپ آج علم و فن کا امام بنا بیٹھا ہے۔

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۲

جس تیزی سے حالات کا رُخ بدل رہا ہے اس کے پیش نظر یہ توقع بیجا نہیں ہے کہ ایک صدی گذرتے گذرتے مسلمان قوم دنیا میں جدید علوم کی بہترین ماہر قوم بن جائے گی، اور آزادی کی نمی اس مٹی کو بڑی زرخیز بنا دے گی۔

حاکم اور محکوم

:- خلیفہ ہارون رشید ایک لڑائی میں بغداد سے دور دراز مقام پر تھا، ایک رات سخت برف باری ہوئی، صحرا اور پہاڑ کی یہ جاڑے کی کانپتی رات ہارون رشید اور مسلمان فوج کے لئے بڑی کٹھن تھی اور معیار برداشت سے باہر نظر آ رہا تھا۔ اس وقت ہارون رشید سے اس کے ایک ندیم نے عرض کیا۔

امیر المؤمنین! دیکھئے کہ ہم لوگ مسافرت کی حالت میں وطن سے دور کس مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہیں، اور رعایا نہایت امن اور چین سے میٹھی نیند میں گم ہے۔

ہارون رشید نے اپنے جلیس و ندیم کے ان تاثرات کو سنا اور نہایت اطمینان سے کہا

اسکت، إن للرعية المنام، وعلينا القيام، ولابد للراعي من حراسة الرعية، وتحمل الأذية،

خاموش رہو! رعایا کو سونے کا حق ہے اور ہم پر جاگنا ضروری ہے، حاکم کے لئے رعایا کی نگرانی اور اس سلسلہ میں اذیت برداشت کرنا ضروری ہے،

یہ ایک پرانے زمانے کے حکمراں کی کہانی ہے جسے آج کے حکمراں اس لئے پسند نہیں کرتے ہیں کہ وہ ان کی پیداوار جمہوریت کا عہد نہیں تھا جو شاہوں اور شہنشاہوں سے ہزاروں گنا زیادہ عیش و عشرت میں ڈوبا رہتا ہے بلکہ وہ ایک شخصی حکمراں تھا جو خلافت اسلامیہ کے نام پر حکومت کرتا تھا اور اپنے زمانہ میں روئے زمین کے سب سے بڑے حکمراں کی حیثیت سے مانا جاتا تھا۔

ہارون رشید کے ان دو جملوں پر آج کی پوری دنیا کی جمہوریتیں قربان ہیں۔ جن کے حکمراں عام طور سے عوام کے خادم اور نمائندے کے بھیس میں عوام کے بدترین دشمن ہوتے ہیں، ملک میں گولیاں چلتی ہیں مگر ان کو ادھر دیکھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ بھوک، بدامنی، غربت ہر جانب تانڈو ہوتی ہے مگر یہ امن و رفاہیت اور معاشی خوشحالی کا لکچر دیتے رہتے ہیں، عوام روز بروز بدحال ہوتے جاتے ہیں، مگر یہ لوگ بے فکری، صحت، خوشحالی اور عیش و عشرت میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کی دنیا ہارون رشید جیسے حکمراں کے لئے بیتاب ہے۔

ایک مدعی نبوت

:- خلف بن خلیفہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قرآن شریف کی آیات کے مقابلہ میں اپنی آیات بنائیں۔ اور مقابلہ کی شکل نکالی، یہ زمانہ خالد بن عبد اللہ قسری کی گورنری کا تھا، اسے گرفتار کر کے خالد بن عبد اللہ کی جناب میں حاضر کیا گیا، خالد نے اس سے دریافت کیا تمہارا کیا دعویٰ ہے، اس نے کہا کہ میں نے قرآن کے مقابلہ میں اسی طرح کی آیتیں بنائی ہیں۔ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے انا اعطینٰک الکوثر الخ اور میں نے اس کا مقابلہ و معارضہ کرتے ہوئے اس سے بہتر آیات کہی ہیں، انا اعطیناک الجماهر، فصل لربك

وجاهر، ولا تطع كل ساحر وكافر،

اس جھوٹے مدعی نبوت کی ان بدتمیزیوں کو سن کر خالد قسری نے سمجھایا اور توبہ کی تلقین کی اور جب اس سے نبوت کا نشہ نہ اترا تو گردن مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کی گردن مار کر سولی دیدیا گیا۔ اتفاق سے ادھر خلف بن خلیفہ شاعر کا گذر ہوا اس نے اس مدعی نبوت کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا تو کہا۔ انا اعطيناك العمود، فصل لربك على عود، فانا ضامن ان لا تعود۔[1]

کفار قریش کو جب قرآن حکیم نے تحدی کی اور قرآن کے مقابلہ کے لئے للکارا تو وہ قرآن کی ایک آیت جیسی آیت نہ لا سکے بلکہ ان کے ایک فصیح و بلیغ شاعر دا عربی نے ایک جگہ سورہ انا اعطینک الکوثر لکھی ہوئی دیکھ کر اس کے نیچے یہ جملہ لکھدیا ماهذا قول البشر (یہ بشر کا قول نہیں ہے) مگر مسلمانوں کو جب فتح و نصرت سے دنیا ملی اور ان کا دور دورہ ہوا تو تمدن و حضارت اور علم و فن کی مہارت اور تلخی نے ان کے اندر مراقیوں اور مالیخولیا کے مریضوں کو پیدا کیا جنھوں نے قرآن کے مقابلہ میں آیتیں بنائیں مگر ان کا یہ اقدام اس قدر احمقانہ اور بودا تھا کہ چلتے پھرتے لوگ ان کی انتہائی بلند اور ان کے زعم میں معجزانہ کوششوں کو ختم کر دیتے تھے۔ اوپر کی معارضہ و مقابلہ کی ترکیبوں کو دیکھ کر اندازہ لگانا بہت آسان ہے کہ ان کی یہ بکواسیں کس قدر بودی تھیں۔

آج کل بھی اسی طرح کچھ معمولی پڑھے لکھے لوگ اسلامی اصول و مسلمات کے مقابلہ میں اپنی دماغی الجھنیں پیش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑے مفکر اور اسلام پسند ذہنیت کے مالک ہیں۔

ایک پاگل نقاد

:- علیان بن ابی مالک نام کے ایک ادیب تھے جن پر صفرا کا غلبہ تھا اور لوگ ان کو پاگل سمجھتے تھے، مگر ساتھ ہی ان کے علم و تحقیق کا حال یہ تھا کہ اچھے اچھے ان کو چھیڑتے تاکہ ان کے جوابات سنیں اور معلومات حاصل کریں۔ محدث عبد اللہ بن ادریس کا بیان ہے کہ علیان بن ابی مالک کو ایک مرتبہ لڑکوں نے چھیڑا اور ان کے پیچھے شور مچایا اور وہ عبد اللہ بن ادریس کے گھر کے اندر گھس گئے۔ خادم نے خبر کی کہ علیان گھر کے اندر گھس آئے ہیں، انھوں نے کہا کہ ان کو اندر کر کے دروازہ بند کر دو تاکہ بچے نہ آسکیں، اس کے بعد عبد اللہ نے کھانا منگایا اور علیان نے خوب کھایا اور دسترخوان کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ اللہ کی رحمت ہے اور یہ لڑکے عذاب ہیں، بہر حال اللہ کی حمد و ثنا کر کے کھایا پیا اور فارغ ہوئے۔

اس کے بعد عبد اللہ نے کہا کہ کیا بات ہے کہ آپ اشعار عرب کے راوی ہیں۔ مگر خود شاعری کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس شخص کے مانند ہوں جو چھری پر دھار رکھتا ہے، مگر خود ذبح نہیں کرتا۔ اس کے بعد عبد اللہ نے دریافت کیا کہ پوری عربی شاعری میں کونسا شعر سب سے اونچا ہے؟ علیان نے کہا وہ شعر جو دل میں

(۱) عقد الفرید ج ۳ صفحہ ۲۱۶

بغیر حجاب اور روک کے اتر جاتا ہے، مثلاً جمیل شاعر کا یہ قول۔

الا أيها النوام ويحكم هبوا ⁂ أسائلكم هل يقتل الرجل الحب

اے سوجانے والو! خدا بیدار ہو جاؤ، میں تم لوگوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا محبت آدمی کیلئے جان لیوا ہے،

علیان نے اس شعر کا پہلا مصرعہ پست آواز سے اور دوسرا مصرعہ نہایت بلند آواز سے پڑھا، اور کہا کہ دیکھا اسکا پہلا مصرعہ دل میں اثر کرنے کے لئے اجازت طلب کر رہا ہے، مگر دل اسے اجازت نہیں دے رہا ہے اور دوسرا مصرعہ اجازت طلب کر رہا ہے تو اسے اجازت مل رہی ہے [1]

مسلمانوں کے دور علم و فن کے پاگلوں اور بیماروں کی مہارت فن اور علمی زندگی کا یہ حال تھا کہ جن لوگوں کو بچے آزاد میں پریشان کرتے تھے وہ شعر و ادب میں ناقدانہ بصیرت رکھتے تھے اور اچھے اچھے ماہرین علم و فن ان کی باتوں کو انمول جواہر سمجھتے تھے۔

دو شاعروں کے آخری اشعار :-

مروان بن ابو حفصہ شاعر کا جب آخری وقت آگیا اور اس سے کہا گیا کہ ... لا الہ الا اللہ .. کہو تو اسنے اس وقت یہ اشعار کہے۔

تبقى قوافي الشعر ما بقيت ⁂ والشعر منسيٌّ إذا نسيت

جب تک میں باقی ہوں شعر کے قافیے بھی باقی ہیں، اور جب میں بھلا دیا جاؤں گا تو میری شاعری بھی بھلا دی جائے گی۔

لم يحظ في الشعر كما حظيت ⁂ جمعٌ من الناس ولا شتيت

شاعری میں جو حصہ مجھے ملا ہے وہ نہ لوگوں کی کسی جماعت کو ملا ہے اور نہ متفرق افراد کو ملا ہے۔

كم ملك حلته كسيت ⁂ ومن سرير ملكه أدنيت

کتنے ہی بادشاہوں کے جوڑے مجھے پہنائے گئے اور ان کے تخت کے قریب میں بلایا گیا۔

إن غبت عن حضرته دعيت ⁂ وإن حضرت بابه حييت

میں اگر بادشاہوں کے دربار سے غائب رہا تو مجھے دعوت اور ان کے دروازے پر گیا تو مجھے سلامی دی گئی،

ان ہی اشعار کو کہتے ہوئے مروان بن ابی حفصہ کی جان نکل گئی [2]

ابو محلم سعدی کا بیان ہے کہ میں ابو نواس شاعر کے مرض الموت میں عیادت کے لئے گیا، ہم نے دریافت کیا کہ کیا حال ہے تو ابو نواس نے کہا،

---

[1] عقد الفرید ج ۳ ص ۲۰۰ [2] کتاب المصون ص ۱۶۹

دب البلى في سفلا وعلوا ⁂ وأراني أموت عضوا فعضوا

میرے اندر نیچے سے اوپر تک فنا پھیل گئی ہے اور اپنے کو دیکھ رہا ہوں کہ میں عضو عضو مر رہا ہوں،

ليس من ساعة مضت بي إلا ⁂ نقصتني بمرها بي جزءا

جو گھڑی بھی میری گذرتی ہے وہ میرے حصہ جسم میں نقص ہی پیدا کرتی ہے۔

ذهبت جدتي بطاعة نفسي ⁂ وتذكرت طاعة الله نضوا

میری خواہش نفس کی اطاعت ختم ہوگئی اور میں نے پورے طور سے اللہ کی اطاعت کو یاد کر لیا ہے،

قد أسأنا كل الإساءة ⁂ فاللهم صفحا عنا وغفرا وعفوا

ہم نے بہت زیادہ برائی کی ہے اے اللہ اب ہم سے درگذر کر، مغفرت اور تجاوز فرما دے،

ابو محلم سعدی راوی کا بیان ہے کہ جب ہم ابو نواس کے یہاں سے نکلے تو راستہ میں خبر ملی کہ اس کا انتقال ہوگیا [1]

حدیث شریف خاتمہ بالخیر کیلئے دعا کرنے کی بڑی تاکید آئی اور دنیا سے جاتے وقت مسلمان جانے کی توفیق طلب کرنے کو کہا گیا ہے کہ یہی وقت انسان کے کامیاب اور ناکام ہونے کا ہوتا ہے۔

دیکھو کہ مروان بن ابو حفصہ جس طرح مرتے دم تک شاعری کے چکر میں پڑا رہا اور ابو نواس زبردست شاعر ہونے کے باوجود اپنے شاعری کو بظاہر ذریعہ مغفرت بنا کر گیا۔

بات یہ ہے کہ آدمی کی جیسی زندگی گذرتی ہے آخری وقت تک اسکا اثر باقی رہتا ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم نیک زندگی بسر کریں تاکہ آخر وقت نیک ہو اور دنیا سے جاتے وقت کلمہ خیر زبان سے نکلے، اے اللہ ہمارا خاتمہ بالخیر فرما اور ہمیں زندگی میں نیک قول و عمل کی توفیق دے!

ایک عالم دین کی خفگی :-

ایک مرتبہ مشہور محدث حضرت سعید بن حجر بردعی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہہ کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور دروازہ بند کر لیا کہ لوگوں نے کس قدر بدعات و خرافات پیدا کر لی ہیں، اور لوگ کس قدر بدل گئے ہیں؟

محدثین کی جماعت نے بڑی کوشش کی کہ امام بردعی ان کو حدیث کا درس دیں اور اپنے گھر سے نکل کر اپنی درسگاہ میں آئیں، مگر انھوں نے کسی کی بات نہ سنی، آخر محدثین نے ان کے ایک نہایت ثقہ اور قلبی دوست محمد بن مسلم بن وارہ رازی کو درمیان میں ڈالا، اور ان سے سفارش کرائی، محمد بن مسلم امام بردعی کے پاس پہنچے اور کہا کہ وہ حدیث کا درس اپنے شاگردوں کو دیں، انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ محمد بن مسلم نے کہا میں آپ کے اوپر اپنے حق کا واسطہ دے کر

---

[1] کتاب المصون ص ۱۶۹

کہتا ہوں کہ آپ ان کو درس دیں، امام بردعی نے کہا کہ آپ کا کون سا حق میرے ذمہ ہے، محمد بن مسلم نے کہا کہ ایک دن میں نے آپ کی سواری کی رکاب تھامی تھی، امام بردعی نے کہا آپ نے یہ کام کر کے میرا نہیں اللہ کا حق ادا کیا جو آپ کے اوپر واجب تھا، اس کام کی وجہ سے میرے اوپر آپ کا کوئی حق نہیں ہے، محمد بن مسلم نے کہا کہ کچھ لوگوں نے ایک مرتبہ آپ کی غیبت کی تھی میں نے آپ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے ان کو جواب دیا تھا، امام بردعی نے کہا کہ یہ کام بھی جماعت مسلمین کے لئے آپ پر ضروری تھا، اس کے کرنے سے مجھ پر آپ کا براہ راست کوئی حق ثابت نہیں ہوتا، پھر محمد بن مسلم نے کہا کہ میں ایک دن آپ کو آپ کی کھیتی باڑی میں لے گیا تھا تو پیداوار اور غلہ جات دکھا کر میں نے آپ کے دل میں خوشی پیدا کی تھی، اور آپ اس دن بہت مسرور ہوئے تھے، . . . . امام بردعی نے جب یہ بات سنی تو کہا ہاں تمہارا یہ حق البتہ میرے اوپر ہے جسے مجھ کو ادا کرنا چاہیے،

(۱) لوگوں کی دین سے برگشتگی پر علمائے دین کو بڑا رنج ہوتا ہے، اور بسا اوقات اس طرح برداشتہ خاطر ہو جاتے ہیں کہ تعلیم، تدریس اور وعظ و ارشاد تک سے ان کی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے، یہ دین کے کام سے غفلت نہیں ہوتا بلکہ عین دینداری کا تقاضا ہوتا ہے، ایسے غیرت مند اور حساس علماء کا مقام بہت بلند ہے اور عوام پر ان کی خفگی اور برگشتگی کا بڑا اثر پڑتا ہے، اور لوگ ان کے منانے کے لئے جوق در جوق آتے ہیں اور سفارشیں کرتے رہتے ہیں۔

(۲) کسی کی خدمت کر کے یا کسی پر کوئی احسان کر کے جتانا اور اس کا بدلہ چاہنا اچھا کام نہیں ہے بشرطیکہ اپنی ذات کے لئے ہو، لیکن مفاد عامہ اور مسلمانوں کی خاطر اس کا واسطہ دینا جائز ہے جبکہ باہمی تعلقات اس طرح کے ہوں کہ اس کو احسان جتانا یا بدلہ لینا نہ سمجھا جائے بلکہ اس کے ذریعہ کوئی بڑا کام لینا، اور یہ بات بطور سفارش اور منانے کے کی جائے اور اس گفتگو میں بھی نیاز مندی، اور تعظیم و تکریم کا رنگ نمایاں ہو،

(۳) کسی عالم دین، بزرگ، اور نیک آدمی کی تعظیم کرنا، ان کی سواری کی رکاب تھام لینا، جوتا سیدھا کر دینا یا اسی طرح کا اور کوئی کام کر دینا درحقیقت اس کی ذات کی تعظیم و تکریم نہیں ہے بلکہ اس کے واسطہ سے علم اور دین کی تعظیم و تکریم ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیا ہے، اسی طرح کسی مسلمان کی عزت و آبرو کی طرف سے دفاع کرنا شخصی حق کی ادائیگی نہیں ہے بلکہ یہ تو اسلامی معاشرہ کا حق ہے کہ اگر کہیں کسی مسلمان کی غیبت، بدگوئی اور عیب جوئی ہوتی ہو تو اس کی طرف سے دفاع کر کے اسلامی معاشرہ کا حق ادا کیا جائے۔

(۴) کسی انسان کو خوش کر دینا بھی بہت بڑی بات ہے، اور اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام بردعی نے بڑی بڑی باتوں کو رد کر دیا مگر جب ان سے کہا گیا کہ ایک موقع پر آپ کے دل کے لئے خوشی کا سامان فراہم کیا گیا تو بلا چون و چرا انھوں نے تسلیم، اور ہاں کہہ کر اس اہم کام کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کر دی جسے اپنے عزیز شاگردوں کے کہنے سننے اور اصرار کرنے پر بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے

تھے۔ دین بھی مسلمان سے ہنسی خوشی سے ملنے کو عبادت کی حیثیت دیتا ہے اور اسے بھی صدقہ کے حکم میں رکھا ہے۔

(۵) محمد بن مسلم نے اپنی گفتگو سے ایک بہت بڑے دینی اور علمی کام کو دوبارہ جاری کر دیا اور مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کی بند راہ کھلوا دی، اس سفارش اور کوشش کا ان کو بے پایاں اجر ملا ہوگا اور ان کے نامۂ اعمال میں الدال علی الخیر کفاعلہ کے اصول سے بے شمار نیکیاں لکھی گئی ہوں گی۔

آواز پر اسلام کا کنٹرول :-

یہ کوئی فلسفہ اور نظریہ نہیں ہے بلکہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ قدرت نے اس کائنات کی ہر چیز اور اس کی ہر بات کو ایک خاص قدر، مقدار اور اندازہ سے پیدا فرمایا ہے اور اس میں جب تک قدرتی قدر و توازن باقی رہتا ہے، اچھی طرح اپنا کام کرتی رہتی ہے اور جب کسی وجہ سے اس کا قدرتی توازن ختم ہو جاتا ہے تو خود اس میں بھی نقصان پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے دوسری چیزوں کو بھی نقصان ہونے لگتا ہے، آج ہم اس کی مثال میں انسانی آواز کو پیش کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ انسان کے منہ، زبان، اور دانت اور حلق کو ایک خاص توازن و مقدار میں پیدا فرمایا ہے تاکہ انسان اس سے کام لے اور دیگر حیوانوں کے مقابلہ میں حیوان ناطق بن کر ان سے ممتاز ہو،

جب تک یہ قوت نطق و گویائی اپنی حد میں ہوتی ہے اچھا کام دیتی ہے، مگر جب اس کا توازن بگڑ جاتا ہے تو بات بدل جاتی ہے، اس کی نزاکت کا عالم یہ ہے کہ لب و لہجہ اور طرز ادا تک کو اس کی افادیت اور عدم افادیت میں بڑا دخل ہے، ایک آدمی کی آواز جو نہایت مناسب طور پر استعمال ہوتی ہے نہ اس میں اتنی لچک اور نرمی پیدا ہوتی ہے کہ اپنے مقصد کو ادا نہ کر سکے، اور نہ اس میں اتنی تیزی اور شدت ہوتی ہے کہ اس کا اثر بدلنے لگے، یہ آواز اصل مقصد میں کام آتی ہے، اور اس کا منشا پورا ہوتا ہے، مگر جب اس میں غصہ کی وجہ سے تیزی یا الٹے پن کی وجہ سے کرختگی آ جاتی ہے تو وہ آواز مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہونے لگتی ہے۔

اسی لئے اسلام نے انسانی آواز کی سلیقہ مندی اور شائستگی پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور بدزبانی، سخت کلامی، رگا گلوچ، اور درشتی سے منع کیا ہے، قرآن حکیم نے گدھے کی آواز کو بدترین آواز بتا کر انسانوں کو اس طرح بولنے سے منع فرمایا ہے، اور اپنی آواز کو پست کرنے کا حکم دیا ہے، نیز شیریں کلامی اور میٹھے بول کی تعلیم دی ہے، دعا اور مناجات اور نماز میں آواز کے لئے پستی اور بلندی کے درمیان کی راہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے، چیخنے، چلانے، شور مچانے اور ہنگامہ برپا کرنے سے منع کیا ہے اور نطق و زبان کو سلیقہ مندی سے استعمال کرنے کی ترکیب بتائی ہے، قرآن و حدیث میں بولی اور زبان کے بارے میں بہت تاکید آئی ہے اور بہت سی باتوں کی تعلیم دی گئی ہے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی آواز کی مضرت و افادیت پر کس قدر گہری نظر رکھی ہے، اور اس کے نزدیک آواز کی کتنی اہمیت ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام نے انسانی آواز کی اہمیت کے پیش نظر اس میں جس قدر

اصلاح کی ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے، انسانیت کے سدھار کے سلسلہ میں یہ بھی اسلام کا خصوصی کارنامہ ہے۔

دہلی میں نیشنل فزیکل لیباٹری نے شور وغل کا جائزہ لے کر بتایا ہے کہ دہلی اور بمبئی میں دن کے وقت سڑکوں اور بازاروں میں غیر معمولی طور پر شور وغل ہو جاتا ہے، دہلی میں دریا گنج اور بمبئی میں بھنڈی بازار میں شور وغل بہت زیادہ رہتا ہے، ان جگہوں میں زیادہ سے زیادہ شور ۹۰ فون سے بھی اوپر ہو جاتا ہے اور ۸۰ فون سے تو کبھی کم نہیں رہتا اور جن کاموں کے لئے یکسوئی درکار ہے ان کے لئے ۴۰ فون سے کم شور ہونا چاہئے۔ ان مقامات پر اوسط درجہ کے موٹر کے ہارن کی آواز تقریباً ۱۰۰ سے لے کر ۱۱۰ فون تک رہتی ہے حالانکہ کام کرنے کے لئے ۵۰ فون سے زیادہ آواز قابل اعتراض ہو جاتی ہے اور نیند کے لئے آواز کی مقدار ۳۰ فون سے بھی کم ہونی چاہئے۔

اسی خبر میں آگے چل کر بتایا گیا ہے کہ انسانی نظام پر آواز کے مضر اثرات پر دنیا بھر میں توجہ دی جاتی ہے، کیونکہ اس سے کام کرنے میں خرابی کے علاوہ بہت سی معدہ اور دل کی سخت بیماریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے نیشنل فزیکل لیباٹری نے ہندستان کے بڑے بڑے شہروں میں آواز کا جائزہ لینا شروع کیا ہے تاکہ شور وغل کم کیا جائے۔

اس خبر میں آواز کی اہمیت کو محسوس کرنے کے بعد اس کے بارے میں اصلاحی قدم اٹھانے کی خبر دی گئی ہے، اور اس کی زیادتی سے پیدا ہونے والے مضر اثرات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اب آپ غور فرمائیے کہ اسلام نے آواز پر کنٹرول کرنے کی تعلیم دے کر انسانوں کو کن کن خرابیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے، اور اس کی نگاہ کس قدر اس بارے میں بھی دور رس ہے۔ آج بتایا جا رہا ہے کہ آواز صرف اعصاب و مزاج اور ذہن و دماغ پر برا اثر نہیں کرتی بلکہ اس کی شدت اور تیزی سے جسمانی امراض بھی پیدا ہوتے ہیں، شاید ہمارے روشن خیالوں کو اب اسلام کی تعلیمات کی افادیت سمجھ میں آئے اور وہ ان کی قدر کریں۔

نیشنل فزیکل لیباٹری اگر آواز کم کرنے کا پروگرام بنا رہی ہے تو اسے صرف بڑے بڑے شہروں کو اپنے سروے اور جائزہ میں نہیں لینا چاہئے بلکہ ان چھوٹے چھوٹے دیہات و قصبات کی بھی خبر گیری کرنی چاہئے۔ جہاں ادھر چند سالوں سے حکومت کی گانے بجانے کی پالیسی نے برا حال کر رکھا ہے اور دیہاتی پنچایتوں کی طرف سے لگے ہوئے ریڈیو رات دن طوفان بدتمیزی برپا کیا کرتے ہیں، اور ان کی آواز اس قدر تیز کی جاتی ہے کہ ہوا کے رخ پر دو دو میل تک آواز صاف سنائی دیتی ہے۔

معروضہ اصلاح صرف انسانی منہ اور موٹروں کے ہارن تک محدود نہیں رہنی چاہئے بلکہ عام تقریبات پر گانے بجانے کے تند و تیز ریکارڈ بجانے، ڈھول تاشہ پیٹنے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے، چلانے اور گانے پر کنٹرول کے ساتھ ساتھ مہیب آواز کے پٹاخوں اور آتش بازیوں پر بھی نظر رکھنی چاہئے، اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ محلہ میں ایک آدمی اپنا ریڈیو کھول کر پورے محلہ کی نیند رات گئے تک اور سکون پورے دن کا کیوں حرام کرتا ہے۔؟

ریل اور ہوائی جہاز تک کی آواز کم کرنے کی باتیں کرنے والے مہربانی کر کے ملوں اور گرجوں کی ان آوازوں کو کم کریں جو ہمارے اعصاب، اخلاق اور دماغ و دل کو مفلوج کرنے کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے جسمانی امراض کا باعث بنتی ہیں۔

ہمارے خیال میں سب سے پہلے ان صاف ستھرے اور پرسکون دیہاتوں کو پاک کیا جائے جہاں گانے بجانے کے مسلط کئے ہوئے ذوق نے نہایت فحش اور شدید ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اور اب کوئی دن اور کوئی رات ایسی مشکل ہی سے ملتی ہے جس میں صاف ستھری اور پرسکون فضا میں قلبی سکون اور میٹھی نیند ملتی ہو۔

روس کا محکمہ مذہبیات:- ۱۹۵۷ء میں عربوں کا ایک وفد روس گیا تھا، اور حکومت روس کی دعوت پر اس نے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا، اس کی مسلسل رپورٹ کراچی کے عربی ماہنامہ "العرب" میں رئیس وفد الاستاذ عبدالمنعم حسن علاش مدیر مجلہ "العرب" کے قلم سے "من مذکراتی عن الارض الحمراء" (سرخ زمین کی میری یادداشتیں) کے ماتحت آ رہی ہے۔ چنانچہ محرم و صفر ۱۳۸۰ھ کے مشترک شمارہ میں اس کی تیسری قسط آئی ہے جس میں رئیس الوفد اور العرب کے ایڈیٹر نے وہاں کے حالات اور وفد کے مشاہدات درج کئے ہیں، موصوف لکھتے ہیں۔

"۱۲ جولائی ۱۹۵۷ء یوم جمعہ گویا ماسکو میں ہمارا دوسرا دن ہے، آج ہم فجر کے وقت بیدار ہوئے تو کل سے زیادہ خوش و خرم تھے، اور آب و ہوا کے معتدل ہونے کی وجہ سے ہماری طبیعت زیادہ صاف تھی، پروگرام کے مطابق ناشتہ کے بعد ہم لوگ موسیو بوزن وزیر شئون دینیہ کی ملاقات کے لئے ان کے سرکاری آفس پہ گئے، یہ آفس ایک معمولی سی خوبصورت عمارت میں واقع ہے، موسیو بوزن نے بڑھ کر وفد کا استقبال کیا اور چائے نوشی کا انتظام کیا، جیسا کہ ہمیں پہلے سے بتایا گیا تھا، موسیو بوزن روس میں امور مذہبی کے وزیر ہیں، اور سوویٹ یونین میں پروپیگنڈہ اور نشر و اشاعت کے شعبہ کے بھی ذمہ دار ہیں"

ان کا آفس پورے سوویٹ یونین کی خفیہ دینی تحریکات و معاملات کا نگراں ہے اور جس قدر روس کو اس سلسلہ میں پروپیگنڈے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی قدر دینی اور مذہبی معاملات میں آزادی کی اجازت دیتا ہے۔ اسٹالین کے مرنے کے بعد جب کہ حکام نے سمجھا کہ جو مسلمان روس میں بچ گئے ہیں اور موجود ہیں ان سے پروپیگنڈے کے وقت کام لینے کے لئے کچھ نہ کچھ ڈھیل دینی رہے گی تو انہوں نے یہ شعبہ قائم کیا جس نے بقدر ضرورت چند مسجدوں کو واپس کر دیا ہے، اس کا مقصد دنیا کے مسلمانوں کی نگاہوں کو ان مسجدوں کی طرف منعطف کرنا ہے، اور خارج میں اپنے پروپیگنڈے کے لئے ان سے کام لینا ہے۔

بہرحال چائے نوشی کی مجلس منعقد ہوئی۔ موسیو بوزن درمیان مجلس میں بیٹھے اور مفتی ضیاء الدین ان کے بائیں جانب

اور قاضی ضیاء الدین اور وفد کے دیگر ارکان دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، ابتداء موسیو یوزن نے کی اور کہا کہ ہم اس وقت آپ تمام حضرات کا علمائے اسلام ہونے کی حیثیت سے استقبال کرتے ہیں مسرت ہے کہ آپ حضرات اسی طرح ہر مجلس میں ہماری طرف سے خلوص و محبت اور اکرام و تکریم کا مظاہرہ پائیں گے۔

اس پر ہمارے وفد کے ایک صاحب جو روسی پروپیگنڈا سے کافی واقف تھے۔ معلومات حاصل کرنے کے طور پر سوال کیا کہ ہم آپ کے لٹریچر کو چاہتے ہیں اس لئے دینی سلسلہ میں آپ نے جو کتابیں، پوسٹر، رسالے، فیرو ستاویز ہیں ان کی کاپی ہمیں دی جائے نیز مسجدوں کی تعداد، ان کے فوٹو، اور آپ کے ادارہ کی بڑی بڑی دینی خدمات کی فہرست ہمیں عنایت فرمائی جائے۔ یہ باتیں سنکر موسیو یوزن بہت ہی معنی خیز طور پر مسکرائے، جسے ارکان وفد نے سمجھ لیا۔ اور ہم نے کتراتے ہوئے موضوع سخن بدل دیا اور موسیو یوزن سے سوال کیا کہ آج کل شہر ماسکو میں مسلمانوں کی تعداد کیا ہے اور پورے سوویٹ یونین میں ان کا کیا شمار ہے؟ موسیو یوزن نے ہماری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ابھی تک ہمارے پاس مسلمانوں کی تعداد کا پورا علم نہیں ہے اس وقت مفتی خیال الدین شاکر نے بات کاٹتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔ ان اللہ علیم بذات الصدور (اللہ دلوں کا حال زیادہ جاننے والا ہے۔

مفتی خیال الدین نے اس طرح درمیان میں دخل دے کر بات کاٹ دی خود موسیو یوزن سے نہایت معمولی اور بے کار قسم کے سوالات کرنے شروع کئے۔ آخر میں موسیو یوزن نے اپنی کرسی پر سیدھے بیٹھتے ہوئے نہایت صاف و صریح طور سے کہا کہ ہم لوگ نہ دین کو مانتے ہیں اور نہ اللہ کو جانتے ہیں اور ہمارے اس دفتر کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ یہاں کی دینی حرکتوں کی نگرانی کی جائے اور جب کوئی مسلمان حج کا ارادہ کرتا ہے تو اسے ہمارے آفس سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ یہ گفتگو اسی کام پر ختم ہو گئی اور سلسلۂ سخن دوسری طرف مڑ گیا۔

سفرنامۂ روس کے اس اقتباس پر کسی قیاس آرائی اور تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصراً یہ بیان ہے کہ روس میں امور مذہبی کا سرکاری شعبہ قائم ہے، اس کے لئے مستقل وزیر مقرر ہے، اسکا الگ آفس ہے اور دینی اور مذہبی معاملات و امور کے بارے میں کام ہوتا ہے، اسکی طرف سے مسجدوں کے امام اور مفتی مقرر ہیں غرضیکہ سب کچھ ہے۔ مگر اس کی کیا حقیقت ہے۔ اس شعبہ کا کیا کام ہے؟ اور مسجدوں اور اماموں کو [illegible] اپنی رہنمائی [illegible] جاتا ہے؟ اس کا پورا بیان اس سفرنامہ میں موجود ہے روس میں اسی قسم کے چند بوڑھے اور خیال الدین امور مذہبی کے محافظ و نگراں ہیں اور لے دے کے اپنے خیالات و مزعومات کو لے کر پروپیگنڈے کی شاخوں پر اچھل کود کرتے ہیں۔

موذن اور بانگی :- "ایک مسجد کے لئے موذن کی ضرورت کا اعلان اخبار میں شایع ہوا ہے جس میں ہے کہ وہ ایک ایسے موذن کی ضرورت ہے جو بلند آواز اور خوش الحان ہو اور غسال کا کام پوری طرح سے جانتا ہو۔"

موذن کی شرطوں میں بلند آوازی اور خوش الحانی بہت معقول شرطیں ہیں، جب تک موذن کی آواز بلند اور شیریں نہ ہوگی اس وقت تک وہ اپنے کام میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوگا، مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہماری مسجدوں کے بانگی اور موذن نہایت بدآواز اور بے آواز ہوتے ہیں، پھر وہ اپنی کامیابی اور نمائش کے لئے عجیب عجیب لہجے نکالتے ہیں اور ترنم و قسم کی حرکتیں کرتے ہیں، جن کو سنکر اور دیکھ کر اذان جیسی باعظمت عبادت کی عظمت دلوں سے ختم ہونے لگتی ہے۔ شیخ سعدی نے ایسے لوگوں کے بارے میں کہا ہے۔

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی :: ببری رونق مسلمانی

یعنی اگر تو اسی طریقہ سے قرآن پڑھے گا تو مسلمان کی رونق ختم کر دے گا۔

اس اعلان میں تیسری شرط غسال ہونے کی ہے، یعنی موذن ایسا ہو کہ میت کو غسل و کفن دے سکے اور مسلمان کو اپنے مردوں کو ہاتھ نہ لگانا پڑے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مسجد کا موذن ہونے کے ساتھ ساتھ محلہ کے مردوں کو غسل و کفن بھی دے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ نگارچی ہو، میت کا کھانا وصول کرے، تیجہ فاتحہ خوانی کے پیچھے [illegible]ے، بھلا ایسا موذن بلند آواز اور خوش الحان کیسے مل سکتا ہے جو بیک وقت سب کچھ ہو حتیٰ کہ مسجد کے متولی کے بچوں کو کھلائے، ان کے لئے پانی دم کرے، اور محلہ کی مرغی بھی ذبح کرے۔ اسکے لئے تو ایسا جامع الصفات ہونا چاہیے جو دیکھنے میں بھی عجیب الخلقت معلوم ہوتا ہو۔

سنکیانگ کے مسلمان :- چین اور روس کے درمیان سنکیانگ یعنی ترکستان شرقی کا علاقہ واقع ہے جس میں مغل نسل کے ایک کروڑ سے زائد ترکی مسلمان آباد ہیں، یہ علاقہ روس اور چین کے تنازعہ کا مرکز رہا کرتا تھا اور دونوں ہی اس کے دعویدار بنا کرتے تھے۔ یہاں کے مسلمان اویغوری زبان بولتے ہیں اور کرغیزی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور تقریباً سب کے سب حنفی مسلک کے ہیں۔ یہاں پر ہمیشہ دینی اور اسلامی تحریک جاری رہا کی ہے اور یہاں کی خاک سے بڑے بڑے علمائے اسلام پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے زمانہ میں دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں یہاں پر مسلمانوں کے رہنماؤں نے جمہوریہ اسلامیہ کے نام سے ایک دینی حکومت قائم کی تھی، علامہ مبشر طرازی صدر اور علامہ عبدالقادر آرتوشی وزیر اعظم تھے، یہ حکومت نہایت عمدگی سے سنکیانگ کے نظم و نسق کو چلا رہی تھی کہ سنہ ۱۹۱۷ء میں روس کا سرخ سیلاب آیا اور اس حکومت کو بہا لے گیا اور اسکے ذمہ داروں کو یا تو قتل و قید ہونا پڑا یا غیر ممالک میں بھاگ کر جان بچانی پڑی۔ اس حکومت کے کتنے مہاجرین ۱۰-۱۵ سال تک افغانستان کے جیل خانہ میں بند رہے اور سنہ ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ چھوڑے گئے۔ نیز اسی کے قریب روس نے اس علاقہ کو اپنی طرف سے ایک خاص سیاسی چال کے ماتحت آزادی کا پروانہ دیا تاکہ اسے ایک الگ ریاست بنا کر سوویٹ یونین سے ملحق کر دیا جائے اسکے بعد اس پر چین نے قبضہ جمایا اور اب

یہ سرخ چین کا ایک علاقہ ہے جہاں چینی تمدن، اشتراکی نظریہ و عمل اور مقامی نظریہ و عمل میں دست و گریبانی جاری ہے اور یہاں کے بچے کچھے منتشر مسلمان چین کے تمدن کو اپنے قدیم تمدن کے مقابلہ میں قبول نہیں کر رہے ہیں اور چینی ادب کے بجائے روایتی قدیم اور مغربی زبان کی ادبی اور علمی ثقافت پر زور دے رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ تازہ خبر قابل ملاحظہ ہے کہ سنکیانگ صوبہ کے ترکی قبائل کے مسلمانوں کو حکومت مجبور کر رہی ہے کہ وہ چینی تمدن اختیار کریں۔ مگر حکومت کو اس بارے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں اور مقامی کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری اور دوسرے علاقہ کے گورنر سیف الدین نے شکایت کی ہے کہ یہاں پر ہماری ثقافتی اصلاحات کی راہ میں مسلم قبائل اور مغربی عناصر نے شدید الجھن پیدا کر دی ہے۔ چینی ادب کے مقابلہ میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر تمدن کا اپنا ادب ہوتا ہے اور ہمارا ادب اس قدر مالدار ہے کہ ہمیں چین کے نئے ادب کو اپنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ سنکیانگ کے مسلمانوں پر زبردستی سرخ چین کا سرخ ادب ٹھونسا جا رہا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ یہاں کی ذہنی اور فکری فضا کیمونزم کے لئے ہموار ہو جائے اور کیمونزم انکو اپنے تمام قدیم و جدید علمی، ادبی، اور دینی و اخلاقی سرمایہ سے محروم کر کے اپنا نیا نظریہ قبول کرائے۔

ادھر پچھلے دنوں اس قسم کی خبریں چین کے ان علاقوں سے بھی آتی رہی ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے کہ کچھ لوگ تخریبی کارروائی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے، کچھ لوگ بغاوت کا سامان کر رہے ہیں اور کچھ لوگ حکومت کے خلاف سازش کا جال بچھا رہے ہیں۔ اس قسم کی خبروں کا پس منظر یہی ہے کہ چین کی کمیونسٹ حکومت ان علاقوں کے مسلمانوں پر اپنا نظریہ تھوپنا چاہتی ہے اور یہاں کے مسلمان اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ وہ مقابلہ کرتے ہیں۔ اور اپنے قدیم تمدن اور آبائی ادب کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ بات کس قدر معقول ہے کہ ہر تمدن کا ایک ادب ہوتا ہے جو اسے زندہ رکھتا ہے۔ ہمارا انفرادی ادب ہمارے تمدن کا ترجمان ہے اور وہ اس قدر مالدار ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں چینی ادب یا کسی اور ادب کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اس معقولیت کے مقابلہ میں سرخ چین کی طاقت ان کو قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا الزام دے رہی ہے۔

جزیرۂ لامو کا اسلامی مرکز:- مشرقی افریقہ میں مابین باب المندب اور سوفالہ کے درمیان ایک علاقہ ہے۔ باب المندب اس کے شمال میں اور سوفالہ اسکے جنوب میں پڑتا ہے۔ یہ پورا علاقہ کئی جزائر و جزیرہ نما کا مجموعہ ہے جو اس افریقی ساحل کے قریب میں جس پر ڈیوک کی حکومت ہے اسی کو جزیرۂ لامو کہتے ہیں۔ اسکے جنوب میں باجونی قبیلہ کا مسکن ہے جو ساحل کے قریب ہی آباد ہے۔ لامو شنڈی کے شمال میں پڑتا ہے۔ جزیرۂ لامو بحری تجارت کی شاہراہ پر واقع ہے اور قدیم زمانہ سے یہاں مصری عرب، ہندی اور دوسری نسل و قوم کے لوگ آکر آباد ہو گئے ہیں جن کا ذریعہ معاش تجارت ہے۔ جزیرۂ لامو

جنگی اثرات سے بارہا متاثر ہو چکا ہے۔ آج کل لامو سلطان زنجبار (خارجی سلطان) کی سلطنت میں واقع ہے اور اس کا ایک خاص علاقہ ہے۔ یہ علاقہ خوشحالی اور دولت و ثروت میں قدیم زمانے سے ضرب المثل ہے یہاں پر تجارت کے علاوہ خصوصی صنعتیں بھی ہیں، لکڑی کھود کر کشتی اور سامان بنانا اور رنگ برنگ کی چیزیں بنانا یہاں کی خصوصی صنعت ہے۔

جزیرۂ لامو میں جو عرب آئے انہوں نے تجارت کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور اسلامی احکام کی اشاعت کے لئے مدارس کا انتظام کیا، اور ان کے علماء اور فقہاء نے جھونپڑوں اور مسجدوں کے کمروں میں مدارس و مکاتب جاری کئے۔ لامو میں انیس مسجدیں ہیں اور شہر کے شمالی علاقہ میں واقع ایک مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، شہر لامو کا شمالی حصہ مرکاوتی کے نام سے مشہور ہے۔ اور دوسرا حصہ المترنی کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی حصہ میں قدیم قبائل آباد ہیں جن میں بنو امیہ کا ایک خاندان اب تک موجود ہے۔ ان کے آباء و اجداد خلیفہ عبد الملک بن مروان کے حکم سے یہاں آئے تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ عبد الملک کا لڑکا حمزہ یہاں آیا اور اس نے اسلامی دعوت عام کی اسی اموی خاندان سے آج تک علماء، فقہاء، نماز جمعہ اور نماز استسقاء کے منتظم و قیم ہوتے چلے آئے ہیں۔

یہاں پر نماز استسقاء کے سلسلے میں یہ رسم ہے کہ معین ان سے پہلے شہر میں منادی نکلتا ہے اسکے ساتھ ایک نفیری ہوتی ہے وہ اہل شہر سے کہتا ہے کہ سب لوگ مل کر ایک بیل خریدیں اور اسکے کھلانے کے لئے روٹیاں جمع کریں۔ دوسرے دن یہ بیل مسجد "موانا لاوو" کے سامنے لایا جاتا ہے یہ مسجد شمالی حصہ میں واقع ہے پھر نماز کے بعد اسے ذبح کیا جاتا ہے یہ رسم مقامی زبان میں "بوباب" نامی ایک درخت کے زیر سایہ ادا کی جاتی ہے۔ اس بیل کی ہڈیاں اور آنتیں وغیرہ چمڑا سمیت اسی درخت کے قریب گاڑ دی جاتی ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں اس بیل کے گوشت کا کوئی حصہ لینا ان کے نزدیک بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ اموی علماء جو جمعہ اور استسقاء کی تقریبات کے منتظم ہیں مقامی زبان میں "مانطیبو" (خطیب) کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

پہلے یہاں پر میلاد شریف میں مولود برزنجی پڑھا جاتا تھا مگر بعد میں حبیب علی حبشی کی لکھی ہوئی مولود نامہ پڑھی جانے لگی۔

حبیب صالح (حبیب کے معنی مقامی زبان میں شریف، سید اور جناب کے ہیں) نے تقریباً ۱۸۸۵ء میں لامو میں ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کرنا چاہا تو ایک بڑا جھونپڑا تیار کیا اور بعد میں وہی مدرسہ ایک بڑی درسگاہ "مدرسۃ الجامع" کی شکل میں تبدیل ہو گیا جس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ریاضیات، فلکیات اور نحو وغیرہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ اسلامی تعلیم کی بنیاد تصوف پر تھی اس مدرسہ کے قیام کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ حبیب صالح کا انتقال اسی سال سے زائد کی عمر میں ۲ اپریل ۱۹۳۵ء کو ہوا۔ یہ مدرسہ اب تک جاری ہے جس میں باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، اور یہاں پر سالانہ

جلسہ کے طور پر محفل میلاد بڑے دھوم دھام سے ہوتی ہے جس میں تدریم قبائل تک آتے ہیں چنانچہ باجون، سومال، عرب اور ساحلی باشندے اور ہندوستانی باشندے ممباسہ، زنجبار، دارالسلام، بماوغیرہ سے آتے ہیں اور اس جلسہ میں شریک ہوتے ہیں، یہ درسگاہ صرف محفل میلاد اور تعلیم تک اپنی سرگرمی محدود نہیں رکھتی بلکہ اب تو دوسرے مذاہب مثلاً خوارج وغیرہ میں اسلامی دعوت عام کرتی ہے اور سنت نبویہ کی طرف عوام کو بلاتی ہے، السوقت اس مدرسہ کے منتظم حبیب صالح کے صاحبزادے حبیب احمد بدوی ہیں جو نہایت ذمہ داری اور اخلاص سے کام کر رہے ہیں گو یہاں پر دینی کام کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہاں کی اسماعیلی اور قادیانی جماعتیں ہیں، اور اب یہاں پر ارادہ ہو رہا ہے کہ مشرقی افریقہ کے دوسرے علاقہ جات میں دینی درسگاہیں قائم کی جائیں اور ان کے ذریعہ اسلامی دعوت عام کی جائے چنانچہ کینیا اور تنجانیقا میں مدارس کھولنے کی اسکیم تقریباً پوری ہو چکی ہے۔

مشرقی افریقہ کی ایک معروف بستی میں اسلامی علوم و معارف اور اسلامی دعوت کے عام کرنے کا حوصلہ افریقہ کی آزادی سے اور بھی تیزی پکڑ رہا ہے۔ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ ایشیا اور افریقہ کی آزادی کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات کے لئے راستہ ہموار ہو رہا ہے، ہندوستانی مسلمانوں کو اس سے سبق لے کر اپنے یہاں بھی دینی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے اور حکومت کی پالیسی کا احترام کرتے ہوئے اپنے دین و ایمان کا پورا پورا احترام و انتظام کرنا چاہئے۔